Article

Use Of Radeef In Ghazaliat Of Ahmad Fraz

احمد فراز کی غزل میں ردیف کا استعمال

Muhammad Naveed Abbas Shahid *[1]
PhD Scholar, Departmaent of Urdu, Government College University, Faisalabad

1. **محمد نوید عباس**
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Correspondanance: naveedabass@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 21-07-2023
Accepted:20-09-2023
Online:30-09-2023

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: This article elaborates the Use of Radeef in Ghazaliat of Ahmad Fraz. Ahmad Fraz is considered as an eminent representative of the modern Urdu poetry. He added many colour to Urdu language with his poetry. Not only he drew upon traditional subjects of romance and love, he also wrote his despair and disappointments and produced some of the finest specimens of resistance poetry. His radeefs contain all the asthetic, artistic and dianoetic aspects of Urdu poetry. He used exclamatory, singular, narrative, interrogative, imperative,temporal, optative and multiple and varied meanings words as radeef.

KEYWORDS: Eleborate, Eminent, Traditional, Despair, Ahmad Faraz, Urdu Ghazal, Radeef

احمد فراز اردو کے عہد ساز شاعر ہیں۔ جدید اردو غزل کو آفاقیت بخشنے میں انھوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔انھوں نے اپنی زندگی میں ہی شہرت اور مقبولیت کے آفتاب کو پوری طرح چمکتے ہوئے دیکھا۔ان کے کلام میں احتجاج، مزاحمت، بغاوت، رومان، سبھی رنگ موجود ہیں۔ان کی غزلیات، نغمے اور گیت سب کو یکساں مقبولیت حاصل رہی ہے۔ فکری طور پر ترقی پسند اور فیض احمد فیض سے متاثر ہیں۔ فراز ایک مکمل شاعر ہیں جو احساس اور نظریہ کے ساتھ زمینی حقائق سے بھی آگاہ ہیں۔ان کے ہاں ترقی پسند فکر کے زیر اثر حقائق پر سمجھوتہ نہیں کیا جاتا۔ کئی حساس مسائل پر ان کا اظہار بہت بے باک رہا ہے اور اس کی وجہ سے انہیں علامتی جلاوطنی بھی برداشت کرنا پڑی ہے۔ ان کے ہاں آرٹ اور حقیقت دو الگ پہلو نہیں۔ عبدالقادر غیاث الدین فاروقی کے مطابق:

> " احمد فراز کی شاعری میں سچ اور حقیقت پوشیدہ ہوتی ہے ان کا ذہن مختلف عناصر اور ذائقوں کا ایک وسیع سمندر ہے جس میں سچ اور حقیقت کے سوا کوئی اور چیز موجود نہیں۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ 'سچ' اور آرٹ' یعنی ادب ایک طرح سے دونوں، مختلف ہوتے ہیں۔ جہاں سچ ہو وہاں آرٹ یعنی ادب کم ہو جاتا ہے مگر احمد فراز کے کمال فن میں سچ اور آرٹ دونوں کو انتہائی خوبی اور خوبصورتی سے شیر و شکر کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احمد فراز کی شاعری غم جاناں اور غم دوراں کے درد و کرب لیے ہوئے ہے"۔ [(1)]

احمد فراز کی ردیفوں میں بیان کے اظہار کا جو تنوع نظر آتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جذبات و احساسات سے بھر پور شاعری کو دل نشیں اور رواں لب و لہجے کے ساتھ بیان کرنے میں جو قدرت احمد فراز کو حاصل ہے وہ اُن کا ہی خاصہ ہے۔ اُن کی ردیفیں اپنے اندر ہر طرح کی فنی و فکری خوبیاں سموئے ہوئے ہیں۔ معنی آفرینی کا ہُنر کسی بھی بڑے شاعر کا کمال ہوتا ہے احمد فراز اس ہُنر میں با کمال نظر آتے ہیں۔ اُن کی غزلیں اور ردیفیں معنی آفرینی سے بھر پور ہیں اور علامتوں، محاکات، استعارات، تشبیہات، تلمیحات اور پیکر تراشی سے مزین نظر آتی ہیں۔ اُن کے کلام میں ردیفوں کے استعمال سے پیدا ہونے والی انفرادیت درج ذیل ہے۔

کلام سے مثالیں

بیانیہ ردیف

تیری باتیں ہی سنانے آئے
لوگ بھی دل ہی دکھانے آئے [(2)]

یہ شعر عمومی سے بیان اور مضمون کا شعر ہے۔ معاملہ بندی کے مضامین میں ایسی گہرائی کم ہی دیکھنے میں آتی ہے کہ ان میں معنوی وسعت کا گمان ہو اور ان کی تشریحات ہو سکیں۔ یہاں بھی محبوب کے بارے لوگوں کے طنز اور دل جلانے کے

لیے لوگوں کی محبوب کے بارے باتیں جو کہ قطع تعلق کے بعد دوسروں پر التفات کے بارے ہی ہو سکتی ہیں اور دل دکھانے کا موجب بھی ہیں، کا ذکر کیا گیا ہے

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر بیانیہ ردیف کا مظہر ہے اور ردیف کا اثر مضمون پر فقط اتنا ہے کہ اس کو زمانہ میں قید کر رہا ہے اور ماضی میں مضمون بیان کرنے پر اصرار کرتا ہے۔

مفرد ردیف

جن کے دم سے تھیں بستیاں آباد
آج وہ لوگ ہیں کہاں آباد (3)

یہ شعر اس دور کے مضامین کی بازگشت کہا جا سکتا ہے فراز سے پہلے ناصر کے ہاں رفتگاں کے بارے اشعار نظر آتے ہیں۔ فراز کے ہاں بھی وقت کے اس تاثر اور حقیقت کو اہمیت حاصل ہے کہ جیسے پہلے لوگ یہاں موجود تھے اور اب نہیں ہیں اسی طرح ہم لوگ بھی یہاں موجود نہیں ہوں گے۔

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر مفرد ردیف میں ہے اور اس کا تاثر گہرا ہے۔ لوگوں کے آباد ہونے یا نہ ہونے کے بارے مضمون کو برتا گیا ہے اور اس کا تاثر ردیف کے دم ہی سے قائم ہے۔

ردیف حرف جار

کچھ ایسے ہم نے خرابے بسائے ہیں شہروں میں
جو دشت والے تھے وہ بھی اٹھ آئے ہیں شہروں میں (4)

یہ شعر معنی ندرت اور وسعت کی ایک اچھی مثال کہا جا سکتا ہے۔ مضمون میں شہر بسانے کا عمل اور اس میں سہولیات کا وافر موجود ہونا جبکہ دوسرے مقامات جیسے گاؤں اور صحراؤں کی اس سے محرومی اپنے ابتدائی مقام سے ہجرت کا سبب بنتی ہے، اس عمل کو بیان کیا گیا ہے اور شعری حوالہ سے دیکھیں تو دشت یا صحرا وحشت کی علامت ہیں اور ویرانی کی۔ گویا اب انسان کو مشکلات سے نمٹنے کی عادت نہیں رہی اور محبت کے غم اٹھانے والے بھی ناپید ہو گئے ہیں کیونکہ روایت میں شہر تنہائی، بے اعتنائی اور بے حسی کی علامت ہیں جبکہ دشت شدت جذبات کی۔

ردیف کے اعتبار سے یہ ردیف، ردیف حرف جار، کی مثال ہے اور اس کا اعلان 'میں' کی ردیف سے ہوتا ہے۔ اس سے منسلک اسم بھی ردیف کا حصہ ہے۔ ردیف میں دوسری اہم بات اس کا عمومی طویل ردیف ہونا ہے اور یہ تین لفظوں کی ردیفی طوالت لیے ہوئے ہے۔

استفہامیہ ردیف

نشۂ گیسوئے شب تاب کہاں

آنکھ کھل جائے تو پھر خواب کہاں (5)

یہ شعر معاملہ بندی کا مضمون لیے ہوئے ہے اور یہ مضمون ہی کے سبب سے ہے کہ فراز کے ہاں عمومیت کو دخل ہے۔ اس کے علاوہ ان کے دوسرے مضامین کے اشعار میں وسعت اور ندرت زیادہ پائی جاتی ہے۔ گویا اگر کسی فریب کی حقیقت کا ادراک ہو جائے یا مطلوب حاصل ہو جائے تو پہلے جیسے بے چینی اور خواہش کی شدت قائم نہیں رہتی۔ آنکھ کھل جانا یہاں حقیقیت کا ادراک ہونا ہے۔

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر استفہامیہ ردیف کی مثال ہے۔ 'کہاں' کی ردیف سے اس کا اعلان ہوتا ہے لیکن اس شعر میں مختلف المعنی ردیف ہونے کی خوبی بھی کسی حد تک پائی جاتی ہے گو کہ انداز استفہامیہ ہے لیکن حقیقت سے آگاہی کے بعد اس کے بارے استفہام کرنا بھی ایک تجاہل عارفانہ کی مثال ہوا کرتا ہے اور اس سبب سے اس ردیف کے دوسرے مصرع میں کہاں بیانیہ صورت بھی اختیار کر سکتا ہے۔ تیسری خوبی اس ردیف کا مفرد ہونا ہے۔

طویل ردیف

کس کو گماں ہے اب کہ مرے ساتھ تم بھی تھے
ہائے وہ روز و شب کہ مرے ساتھ تم بھی تھے (6)

یہ شعر ترک تعلق میں ایک طویل عرصہ گزر جانے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ پہلے مصرع میں لوگوں میں گماں تک نہ ہونے کو بیان کیا گیا ہے جبکہ ماضی میں ہر وقت محبوب کے ساتھ گزرتا تھا اور لوگ اس امر سے آگاہ بھی تھے کہ دونوں میں تعلق کی نوعیت کیا تھی۔ یہ بیان بھی مقصود ہے کہ لوگوں کو بہت جلد بھول جانے کی عادت ہوتی ہے اور ایک اہم بات کو بھی وہ زیادہ دیر تک یاد نہیں رکھتے اگر ان کے سامنے مسلسل نہ رہے۔

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر طویل ردیف کی مثال ہے اور اس ردیف کی طوالت چھ لفظوں پر مشتمل ہے جو کہ بحر کا نصف سے زیادہ حصہ سمیٹے ہوئے ہے۔

ردیف صنعت تکرار

رات کے پچھلے پہر رونے کے عادی روئے
آپ آئے بھی مگر رونے کے عادی روئے (7)

یہ شعر انسان میں غم کی حالت کے مسلسل رہنے کا بیان ہے۔ انسان کسی ایک کیفیت میں تا دیر رہے تو اس کا اسیر ہو کر رہ جاتا ہے ایسے میں کوئی دلاسہ، کوئی چارہ گری کام نہیں کرتی اور سب بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے،۔ شعر میں یہی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ نیز اس سے مراد انسان میں ہجر کی کیفیت اور رتجگے کا تاثر ہے۔ لیکن مرکزِ بیان موجود نہیں ہے اس لیے اس کا سبب کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی معاشرتی غم، تنہائی یا کسی کی فرقت۔

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر صنعت تکرار میں ہے اور 'روئے' کی تکرار پائی جاتی ہے۔ دوسری اہم صفت اس کا طویل ردیف میں ہونا ہے۔ یہ چار لفظوں پر مشتمل ایک طویل ردیف شمار کی جاسکتی ہے۔

ردیف اسمِ اشارہ

کس قدر آگ برستی ہے یہاں
خلق شبنم کو ترستی ہے یہاں (8)

یہ شعر اپنے مضمون میں شہر آشوب کہا جاسکتا ہے۔ فراز کے ہاں معاشرتی حوالے سے سنگین صورتحال کا ادراک بھی پایا جاتا ہے اور ان کا قلم انہیں بہت صاف انداز میں بیان بھی کرتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ شہر میں غم اور جبر کی کیفیت اور اس کا کوئی حل نہ ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔ خلق کی حالت اسی پیاسے جیسی ہے جس کو پینے کو شبنم کے قطرے بھی میسر نہ ہوں لیکن اسے آگ جیسی شدید دھوپ میں رہنا پڑتا ہو۔

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر 'ردیف اسمِ اشارہ کی مثال ہے جس کا اعلان "یہاں" کے لفظ سے ہوتا ہے، اس سے مراد اس مقام بھی ہے یعنی وطن اور اس کے شہر۔ "ہے یہاں" شعر کے مضمون پر اصرار کرتی ہے کہ اسے بیان کرنے والے مقام کے مطابق ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ مضمون کے انتخاب کی آزادی ہوتی ہے۔ شہر آشوب یا معاشرتی رویوں، نفسیات یا جبر کے مضامین میں وسعت خود بخود در آتی ہے۔

ردیف فعلِ امر

ہر ہمسفر ہے آبلہ پا دیکھتے رہو
یارو پلٹ پلٹ کے ذرا دیکھتے رہو (9)

یہ شعر بھی آشوب کا شعر کہا جاسکتا ہے۔ نظریہ اس کی بنیاد ہے اور وہ لوگ جو ہمسفر کہے جارہے ہیں وہ عوام کا درد رکھنے والے مثبت لوگ ہیں اور ان کا سفر بہتری اور ارتقا کی جانب ہے۔ اس دور میں بھی ایسے لوگ شدید مصائب کی زد میں رہے ہیں اور اب بھی ہیں شعر میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پلٹ پلٹ کے دیکھنے سے مراد وار کرنے والے سے باخبر رہنا بھی ہے اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ کوئی ہمسفر جان کی بازی تو نہیں ہار گیا یا زخموں کی تاب نہ لا کر سفر کسی بھی مقام پر رک چکا ہے اور مزید ساتھ نہیں دے سکتا۔

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر ردیف فعل امر کی مثال ہے جس میں دیکھنے یعنی باخبر رہنے کا امر صادر کیا گیا ہے اور اس کے لیے فعل امر 'رہو' یعنی یہ عمل مسلسل کرنے پر اصرار کیا گیا ہے۔ ردیف میں خود ایک اہم بات موجود ہے اور اس میں ذو معنویت پائی جاتی ہے۔ یعنی دیکھتے رہنا اور جانتے رہنا، باخبر رہنا۔ سب معانی ردیف میں ایک ساتھ موجود ہیں۔ یہ خاصیت محاورہ میں پائی جاتی ہے کہ وہ اپنی لفظی تفہیم سے آگے بڑھ جاتا ہے اور شعر میں نئے رنگ دکھانا ایسی ہی محاوراتی کیفیت ہے جو کہ اس مختصر ردیف میں پائی جارہی ہے۔

خطابیہ ردیف

یہ میں، یہ کوئے دار، یہ تنہائی دوستو
کیا تم بھی بن گئے ہو تماشائی دوستو (10)

اس شعر میں دوستوں یعنی اپنے ساتھ ہم خیال لوگوں سے مخاطب ہو کر شکوہ کیا جارہا ہے شعر میں بیانیہ معاشرتی جبر کا ہے اور اس کے خلاف آواز اٹھانے والوں کا اس کو جھیلنے میں تنہارہ جانا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آواز اٹھانے اور راہ عمل میں نکلنے والوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ معاشرے سے بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کہ آواز اٹھانے کا حوصلہ رکھتے ہیں، ان سے بھی کم ہوتے ہیں جو راہِ عمل میں آتے ہیں اور ان سے بھی جبر کا شکار ہونے والوں کا ساتھ دینے والے کوئی نہیں ہوتے یا بہت کم رہ جاتے ہیں۔ شعر میں اسی کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے اور اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر خطابیہ ردیف لیے ہوئے ہے اور اپنے ہمسفر اور ہم خیال لوگوں سے مخاطب ہوا جا رہا ہے۔اس کا اظہار 'دوستو" کے حرف خطاب سے ہوتا ہے۔ردیف میں دوسری صفت اس کا مفرد ہونا ہے۔ دوست سے مراد ہم خیال لوگ ہیں جن پر بھروسہ کیا جارہا تھا۔

ندائیہ ردیف

رنجش ہی سہی دل ہی دکھانے کے لیے آ
آ پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لیے آ(11)

یہ شعر معاملہ بندی کا شعر ہے لیکن اس میں محبوب سے التجا کا مضمون منفرد ہے اور اسے ندائیہ انداز میں باندھا گیا ہے۔ گویا محبوب کے بارے اسی روایت کو برتا گیا ہے کہ اس سے وفا کی توقع عبث ہے اور جور و جفا اس کا خاصہ ہے لیکن اسے کسی قسم کا شکوہ نہیں کیا جارہا اور نہ ہی اس کو منانے یا روش سے باز رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ گویا ایک انا پرور قسم کا مضمون اس کے انداز کو برقرار رکھنے کی روش کے ساتھ باندھا گیا ہے۔

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر ندائیہ ردیف کی مثال ہے۔ جس کا اظہار 'آ' کے حرف ندا سے ہوتا ہے۔اس کے ساتھ "کے لیے "کا استعمال کسی فعل یا شے کے ہونے یا اس کے بیان ہونے پر اصرار کرتا ہے یہاں ملاقات کا فعل مراد ہے اور اسے شعر میں برتا گیا ہے۔

ردیف تمنائی

نہ حریف جاں نہ شریک غم، شبِ انتظار کوئی تو ہو

کسے بزم شوق میں لائیں ہم، دل بے قرار کوئی تو ہو [12]

یہ شعر انتہائی تنہائی کے عالم کو بیان کرتا ہے۔ گویا ایسا کوئی بھی موجود نہیں جو کہ دوست یا دشمن، چارہ گر یا ستم گر بن کر ہی ساتھ رہے۔ انسان میں تنہائی کا عالم اس پر ایسی ہی نفسیاتی کیفیت طاری کر دیتا ہے۔ گویا یہ شعر انسانی نفسیات اور اس کی تنہائی کے بارے اہم شعر کہا جا سکتا ہے جس میں دل کی خواہش کا مطلب اپنی تنہائی میں کسی اور فرد کی موجودگی ہے جس کے بعد تنہائی کا عالم ختم ہو سکے، لیکن ایسا کوئی بھی موجود نہیں۔

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر ردیف تمنائی کی مثال کہا جا سکتا ہے جس میں ایک تو دل کی تمنا ہے جس سے خطاب کیا جا رہا ہے دوسری اہم بات یہ ہے کہ اپنی خواہش بھی یہی ہے کہ کوئی بے شک ستم گر ہی ہو ہمدرد نہ ہو لیکن کوئی تو ہو۔ گویا یہ تمنا شدید تنہائی کے احساس سے جنم لے رہی ہے۔

منفی ردیف

خاموش ہو کیوں دادِ جفا کیوں نہیں دیتے
بسمل ہو تو قاتل کو دعا کیوں نہیں دیتے [13]

یہ شعر ایک قول محال کا شعر کہا جا سکتا ہے۔ کوئی بھی انسان اپنے قتل کرنے والے کو دعا نہیں دیتا اور نہ ہی ایسی توقع رکھی جا سکتی ہے لیکن جو انسان جو اپنی زندگی سے اکتا چکا ہو اور اس میں اسے ترک کر دینے کا خیال ہر وقت موجود رہتا ہو اسے موت ایک نجات دہندہ جیسی لگتی ہے۔ گویا شعر میں اسی زندگی کی تکلیف اور اس کے مصائب کے سبب اس سے بیزاری کو بیان کیا گیا ہے۔ نظریاتی اعتبار سے یہ شعر وجودیت کی مثال کہا جا سکتا ہے۔

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر منفی ردیف کی مثال ہے جس کا اظہار 'نہیں دیتے' کے ساتھ ہوتا ہے۔ شعر میں اصرار اس کی ردیف کی وجہ سے قائم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ردیف میں استفہامیہ کیفیت بھی موجود ہے جو اس کے استفہامیہ ردیف میں بھی ہونے کی خبر دیتی ہے۔ اس میں تیسری خوبی اس کا طویل ہونا ہے جو کہ تین لفظوں کی عمومی طوالت پر مشتمل ہے اور دونوں کیفیات یعنی استفہام اور منفیت انہی تین حروف کی طوالت میں موجود ہے۔

ردیف حرف تشبیہ

ایسے چپ ہیں کہ یہ منزل بھی کڑی ہو جیسے
تیرا ملنا بھی جدائی کی گھڑی ہو جیسے [14]

یہ شعر انسان کی نفسیات اور اس کے معاشرتی انداز کے مطابق ڈھل جانے کو ایک خدشہ کی صورت بیان کرتا ہے۔ انسان پر اس کے مشاہدات اور تجربات آگہی کے در کھولتے ہیں اور ان میں نفسیات کو اہمیت حاصل ہے۔ ہر انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ اس وقت تک ہی رہتا ہے جب تک اس کا دل اور اس کا دماغ اس سے رغبت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ کسی نہ

کسی وصف یا مقصد کے لیے ہوتا ہے یا مشترکات۔ ان میں کمی کے ساتھ ہی انسان کی اپنے ساتھی انسان سے دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ شعر میں ایسے ہی خدشے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ردیف کے اعتبار سے یہ شعر ردیفِ حرف تشبیہ کی مثال ہے۔ 'ہو جیسے' مماثلت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ایسی صورتحال جیسی صورتحال کے معنی بھی رکھتا ہے اس شعر میں یہی معنی مذکور ہیں۔

ردیف اسم ضمیر

کروں نہ یاد مگر کس طرح بھلاؤں اسے
غزل بہانہ کروں اور گنگناؤں اسے (15)

یہ شعر معاملہ بندی کا ہے جو کہ فراز کی شاعری کا ایک اہم عنصر ہے جو ان کی عوام میں مقبولیت کا سبب ہے اور اس کی وجہ سے دوسرے پہلو نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ اس شعر میں محبوب کے بارے اپنا اختیار نہ ہونے کو بیان کیا گیا ہے اور اس بیان کے لیے اخفا کا انداز اپنایا گیا ہے۔ گویا اسے یاد نہ کرنے پر کوئی اختیار نہیں اگر اس کا ذکر نہ کیا جائے اور اس پر ضبط کر لیا جائے تو اس کو شاعری میں گنگنانے سے خود کو روکنا محال ہے۔

یہ ردیف اسمِ ضمیر کی مثال شعر ہے جس کا اظہار 'اسے' کے اسم ضمیر سے ہوتا ہے جس میں اشارہ کی صفت بھی پائی جاتی ہے۔ گویا لوگوں سے خطاب ہے اور مضمون کا مرکز اس کی ردیف کے سبب سے محبوب کی طرف سے ہے۔ ردیف اس کے سوا کوئی پابندی مضمون پر نہیں لگاتی کہ اسے محبوب یا مذکور فرد کے متعلق ہی بیان کیا جائے۔

جس قدر موضوعات اور بیان کی وسعت اور تنوع فراز کو میسر ہوا ہے بہت کم شعرا کو یہ نعمت میسر ہوتی ہے۔ اس میں ان کے ہاں پائی جانے والی ترقی پسندانہ فکر کا دخل کہا جا سکتا ہے۔ ساحل احمد رقم طراز ہیں:

> "احمد فراز غزل کو ایک پوری کائنات سے متشکل کر سکتے ہیں۔ اسی لیے ان کی غزل میں حیات و کائنات کے وہ تمام نکات موجود ہیں جو ساری زندگی اور سماج سے متعلقہ رشتوں اور اُن کے زمانوی پہلوؤں کو نمو گیر کرنے کا اعلامیہ ہیں۔ سماجی و سیاسی فکر و انقلاب کی مصوری میں ان کا کلام بے حد توانا اور متنوع ایام کا حامل ہے"(16)

حوالہ جات

1۔ فاروقی، عبدالقادر غیاث الدین، احمد فراز: شخصیت اور شاعری، بیجاپور، بلیو سٹار پرنٹرز، ۲۰۱۵، ص:۷۶

2۔ احمد فراز، کلیات احمد فراز، (تنہا تنہا)، لاہور، ماورا پبلشرز، ۱۹۸۹، ص:۱۹

3۔ ایضاً، ص:۲۰

4۔ ایضاً، ص:۲۵

5۔ ایضاً، ص:۴۲

6۔ ایضاً، ص:۵۲

7۔ ایضاً، ص:۵۴

8۔ ایضاً، ص:۸۰

9۔ ایضاً، ص:۸۱

10۔ ایضاً، ص:۱۴۹

11۔ احمد فراز، درد آشوب، ماورا پبلشرز، ۱۹۶۶، ص:۱۲

12۔ ایضاً، ص:۱۹

13۔ ایضاً، ص:۳۰

14۔ ایضاً، ص:۳۹

15۔ ایضاً، ص:۱۰۸

16۔ ساحل احمد، مونوگراف، الہ آباد، اردو رائٹرز گلڈ، ۱۹۹۷، ص:۹